میرے دور کے
علماء اور مشائخ
جنہیں میں نے قریب سے دیکھا

مصنف

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ

ناشر مکتبہ قاسمیہ غلام محمد آباد فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل

عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت

العلیم الحکیم۔

رب یسرولا تعسرو تمم بالخیر

سیدی و مرشدی حضرت مولانا

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مرقدہ

میں ابھی زیرِ تعلیم تھا، شعوری طور پر ابھی بالغ نظری کی حد کو نہیں پہنچا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ بڑے لوگ کون ہوتے ہیں، ان میں کون سی نمایاں صفات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان کو بڑا کہا جاتا ہے، اور لوگ ان کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ ان کی محبت اور عشق لوگوں کے رگ و ریشے میں پیوست ہوتا ہے۔ ایک انجانی سی شناسائی اور محبت کی شمع میرے دل میں ہر وقت روشن رہتی تھی اور یہ محبت اور روشنی مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی تھی جو مجھے فطری طور پر ودیعت کی گئی تھی، پھر کسی اور رسمی شناسائی کی کے لیے میرے دل میں ہر وقت موجزن رہتی تھی، اساتذہ کرام کبھی کبھار اسباق کے دوران اکابر علماء کا تذکرہ کرتے تو شیخ رحمہ اللہ کا تذکرہ سرفہرست ہوتا تھا جس کی وجہ سے مجھے بہت سکون ملتا، تنہائی میں بہت سوچتا کہ یہ کیسی شخصیت ہے جس کو نہ دیکھا نہ بھالا مگر ان کی محبت نے سرشار بلکہ بے قرار کر رکھا ہے۔ شوقِ ملاقات اور شرفِ زیارت کے لیے دل بے تاب رہتا تھا، دل چاہتا کہ اُڑ کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے قدموں میں پہنچ جاؤں اور پاؤں سے لپٹ کر محبت کے آنسو نظر کروں مگر سرحد کی لکریں دیو قامت نظر آتیں اور میرے حوصلے اور عشق کے سامنے دیوارِ سکندری بن کر کھڑی ہو جاتیں میری امیدیں ٹھنڈی پڑ جاتیں اور میں کف حسرت مل کر رہ جاتا۔ آتشِ عشق فزوں تر ہوتی چلی گئی اور میں تعلیم کے آخری سال تک پہنچ گیا۔ تحصیلِ علم کے بعد

میں نے فیصلہ کیا کہ پرچہ باداباد مجھے پوری کوشش کر کے دیو بند کا سفر کرنا ہے۔ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرنی ہے اگر ہوسکا تو درسِ بخاری اور درسِ ترمذی کی سعادت بھی حضرت کی خدمت میں رہ کر حاصل کرنی ہے ورنہ بیعت کا سلسلہ تو ضرور ہی حاصل کرنا ہے۔ میں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ نہایت محنت سے پاسپورٹ بنوایا اور دیو بند جانیکے لیے عزمِ مصمم کرلیا۔

انڈیا:

صوبہ پنجاب میں ایک مسلمان ریاست مالیر کوٹلہ ہے، میرے والد مرحوم نے تعلیم سے فراغت کے بعد اسی شہر کو اپنا مرکز بنایا تھا، وہاں کے احباب کی خواہش تھی کہ میں مالیر کوٹلہ کا سفر کروں اور وہاں کے احباب سے ملاقات بھی ہو جائے اور والدِ گرامی قدر کے دینی حلقہ کے ثمرات میں آنکھوں سے دیکھ سکوں۔

میں نے مالیر کوٹلہ (انڈیا) جانے کا فیصلہ کرلیا، غالباً 55ء کے آخر کی بات ہے اس میں مالیر کوٹلہ کا سفر تو ضمنی تھا مگر دیو بند کا سفر میرا مقصود و مراد تھا کیونکہ مجھے ہر وقت یہی شوق اور اضطراب رہتا تھا، مالیر کوٹلہ پہنچ کر دہلی سے دیو بند جانے کی اجازت کے لیے درخواست دی گئی جو آسانی سے مل گئی۔

سفرِ دیو بند:

مالیر کوٹلہ (انڈیا) سے رات کو ایک ٹرین دیو بند کو جاتی تھی، چند احباب کے ساتھ اس گاڑی سے دیو بند روانگی ہوئی، دیو بند ہمارا نظریاتی مرکز ہے، اس کے ساتھ ہزاروں عقیدتیں اور محبتیں وابستہ ہیں۔ جوں جوں گاڑی فراٹے بھرتی جارہی تھی، آتش شوق بڑھ رہی تھی! دل میں عجیب کیفیات کا دریا بہہ رہا تھا۔ وہ بستی کیسی ہوگی

جس کے دامن میں ایشیاء کی عظیم روحانی اور علمی یونیورسٹی قائم ہے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی کا لگایا ہوا یہ پودا جو اس وقت پوری دنیا کو ثمر آور کر رہا ہے اس کا نقشہ کیا ہوگا؟ اس کے شب وروز کیا ہوں گے؟ قال اللہ قال الرسول کی صداؤں سے دیوبند کی فضا کس قدر معطر ہوگی؟ علماء اور طلباء پر اپنے اکابر کا کیا رنگ ہوگا؟ دیوبند کے اساتذہ اور شیوخ کی تربیت سے بہاروں کا رنگ کیا ہوگا، گلشنِ نانوتوی کی مہک سے پوری بستی کتنی خوشبودار ہوگی!

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں جو خیالات دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے ان کا نقش کیا ہوگا؟ حضرت کا سراپا کیا ہوگا، علماء کا رنگ اور چہرے کی نورانیت کیا ہوگی اور اس قسم کے خیالات سے دل و دماغ پر عجیب سی کیفیات طاری تھیں، جوں جوں دیوبند قریب آرہا تھا دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہورہی تھیں، آخر دیوبند کا اسٹیشن آہی گیا جو میری دھڑکنوں کو آخری سرحدوں تک لے گیا تھا وہی چھوٹا سا اسٹیشن اور شہر سے کچھ فاصلے پر واقع مختصر سی عمارت مگر دنیا کے کونے کونے میں جس کی عظمت اور سطوت کے سکے جمے ہوئے تھے، دھڑکتے دل سے پلیٹ فارم پر اترے اور اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ شہر اور دارالعلوم کے لیے تانگہ لینا پڑتا تھا، کچھ کوچوانوں کی آوازیں اور صدائیں بلند ہورہی تھیں......

بڑے حضرت کے ہاں! بڑے حضرت کے ہاں! میں نے ایک مسافر سے پوچھ ہی لیا کہ یہ کیا آواز ہے کہ بڑے حضرت کے ہاں؟ تو اس نے نہایت ادب سے جواب دیا کہ آپ پہلی مرتبہ دیوبند آئے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ تانگے والا ان سواریوں کو بلا رہا ہے جنہوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مکان پر جانا ہے اور حضرت کی میزبانی کا شرف حاصل کرنا ہے۔ حضرت والا کے مہمان تانگے والوں کی مستقل آمدنی کا ذریعہ مہینوں اور برسوں سے چل رہا ہے۔ حضرت کے مہمان حضرت کے مہمان خانہ کے بغیر کہیں

اور نہیں ٹھہر سکتے، حضرت خود اس کا اہتمام فرماتے ہیں بلکہ بعض اوقات تانگے والوں کو کرایہ بھی حضرت مدنی رحمہ اللہ خود ادا کرتے ہیں، اس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مہمان خانہ ایک عظیم شان رکھتا ہے اور وہاں ایک ہجوم رہتا ہے۔ میرے لیے اس میں تعجب تو نہیں حیرانگی ضرور تھی جس سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، حضرت کا مہمان خانہ یہاں آنے جانے والوں کے لیے عظیم راحت کدہ تھا، وہیں پر ایک روحانی خانقاہ بھی تھی جس سے رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹتے تھے۔ میں اپنے احباب کے ساتھ دار العلوم دیوبند کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت کا دبدبہ اور شوکت دل پر چھائی ہوئی تھی، جوں ہی دار العلوم دیوبند کا دروازہ اور گنبد نظر آیا میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور میری آنکھیں نہ صرف باوضو ہو گئیں بلکہ عشق و محبت اور وفا کے آنسوؤں سے گناہوں کی آلودگی بھی دُھل گئی۔ یہ آنکھوں کا غُسل تھا، دل نے جن عقیدتوں اور محبتوں کا سماں باندھا وہ موت تک ان کو سرمایہ دل سمجھ کر محفوظ رکھے گا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے کاشانہ اقدس کے سامنے ہم تانگہ سے اتر کر حضرت کے مہمان خانہ میں چلے گئے، معلوم ہوا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ دہلی تشریف لے گئے ہیں اور شام تک واپسی یقینی ہے۔ منتظمین نے ہمیں ایک کمرے میں ٹھہرا دیا اور ہم حضرت کے لیے سراپا اشتیاق بن گئے۔

دیوبند میں میرے چند ساتھی فیصل آباد سے دورہ حدیث میں شریک تھے میں ان کے پاس چلا گیا خیال کیا کہ سامان ان کے ہاں رکھوں گا اور حضرت والا کی عوامی مجالس میں باقاعدہ شرکت کرتا رہوں گا، شام کو حضرت والا تشریف لے آئے۔

ایک ناقابلِ فراموش واقعہ:

(میں اپنے احباب کے ہمراہ دیوبند میں مولانا عبد الغفور صاحب اور مولانا

شاہ محمد سے ایک شخص تلاش کرتے ہوئے ان دونوں حضرات کے پاس ملنے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اور بتایا کہ) پاکستان کے ایک مہمان جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ وہاں ہیں آپ کے پاس آئے ہوئے ہیں ان کو فوراً حضرت کے ہاں پہنچایا جائے حضرت انہیں کھانے کے لیے یاد فرمارہے ہیں، اس پر ایک سناٹا سا طاری ہو گیا اور ساتھیوں نے مجھے کہا کہ آئندہ ایسے غیر حاضر نہ ہونا کیونکہ حضرت اپنے مہمانوں کو کہیں اور ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے، کھانا ناشتہ اور آرام حضرت کے ہاں ہی ضروری ہوگا، میں جلدی میں بھاگا بھاگا حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا، حضرت نے ملتے ہی فرمایا جتنے روز یہاں رہنا ہے کھانا اور ناشتہ یہیں ہوگا۔ اور میں شرمندگی اور ندامت کے ملے جلے جذبات سے دم بخود رہ گیا، اس قدر عظیم شخصیت جن کے دستر خوان پر شب و روز درجنوں مہمان آتے جاتے رہتے اور ان کا ایک ایک مہمان پر نظر رکھنا ان کی وسیع النظری ہی نہیں بلکہ وسیع القلبی اور انسانی بلندیوں کی عدیم النظیر مثال ہے! جو ان کی شخصیت کے عظیم ہونے کی درخشندگی کو اجاگر کرتی ہے، اس کا سطحی نظر میں بھی اگر جائزہ لیا جائے تو سنت نبوی ﷺ میں ڈوبا ہوا ایک ایسا بے مثال عمل نظر آتا ہی جس سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اکرام ضیف کی سنت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ غیر معمولی عمل ہے اور ان کرامتوں سے ہزار درجے بہتر ہی جو عملی زندگی کو پیغمبرانہ سیرت کے قرب کا درجہ عطا کرتی ہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی پوری زندگی سیرت نبوی ﷺ کا درخشندہ نمونہ تھی اور ان کے ہر عمل اور فعل سے سنت نبوی ﷺ کی خوشبو آتی تھی اس دور میں سیرت و کردار کی بلندیوں کو دیکھنے کی بجائے خلافِ عادت معمولات کو ترجیح دی جاتی ہے، قرونِ اولیٰ میں کردار اور سیرت کی روشنی کو دیکھا جاتا تھا اور اسی سے اندازہ لگایا جاتا تھا کہ شخصی عروج میں حسن کردار کو زیادہ دخل ہوتا تھا۔ اسی لیے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور اکرم ﷺ کی ان بے تابیوں کو ملاحظہ کیا جو

اولین وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ پر طاری ہوئی تھیں تو آپ نے بے ساختہ حضورِ اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور! (ﷺ) آپ کا دسترخوان وسیع ہے اور آپ ﷺ کا ڈیرہ مہمانوں سے آباد ہے آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان سو فیصد حقیقت ہے کہ آپ کے دسترخوان کی وسعت نے آپ ﷺ کا عرب و عجم میں سکہ جما دیا تھا، حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی تو اسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جو پوری کائنات کو مستفیذ کر رہا تھا، اس لیے مہمان نوازی اور اکرام ضیف ان کا طُرۂ امتیاز تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عشاق کے ہجوم میں بھی ایک بے نوا فقیر کو یاد رکھا اور اپنے دسترخوان کی وسعتوں سے اس کو بھی سرفراز فرمایا۔ ہاں مجھے یہ بتانا تو یاد ہی نہیں رہا کہ پہلی ملاقات میں جن عزائم کے پُل باندھ رکھے تھے اور پہلی ملاقات میں جس روپ اور اندازِ مصافحہ اور ملاقات کا خاکہ طے کر رکھا تھا وہ تو حضرت پر پہلی نظر پڑنے ہی سے حیران ہو گیا، میں باوجود ہزار اشتیاق کے اس قدر دم بخود یا حواس باختہ یا خوف زدہ ہو گیا کہ میں حضرت رحمہ اللہ سے مصافحہ کئے بغیر چپکے سے دبک کر بیٹھ گیا، خوف اور دبدبہ کی وجہ سے دل کی حرکت دل ہی دل میں رہ گئی......اور کانوں میں حضرت کی آواز گونجنے لگی...... کہ آپ ہمارے مہمان ہیں کھانا اور قیام یہیں پر رہے گا۔ اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں رہی اور میں اس نسبت پر فخر کرنے لگا کہ ''آپ ہمارے مہمان ہیں'' قیامت میں بھی یہ جملہ میرے لیے سکون اور راحت کا باعث ہو گا کہ ''آپ ہمارے مہمان ہیں''۔

اب طبیعت کچھ سنبھلنے لگی اور ہوش خوف پر غالب آنے لگا، میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ حضرت کے ہاں قیام کے دوران کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا بلکہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لئے اپنے آپ کو مستعد رکھنا ہے چنانچہ میں نے حضرت کے تمام معمولات کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور ان اوقات میں اپنی تمام توانائیاں اور

صلاحیتیں بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا۔

معمولات مدنی رحمہ اللہ:

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے معمولات چوبیس گھنٹے جاری و ساری رہتے تھے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ان سے بہرہ ور ہوتا، یہ ایسا دریا تھا جس سے اپنے بیگانے، کالے گورے، محدث مفسر، عالم غیر عالم، امیر غریب، چھوٹے بڑے حکام رعایا سب برابر مستفید ہوتے تھے۔صبح سات آٹھ بجے حضرت کے دسترخوان پر ناشتہ ہوتا تھا، سب بلا تمیز اس میں شریک ہوتے، حضرت رحمہ اللہ والا خود مہمانوں کے ساتھ ناشتہ فرماتے، ناشتہ میں بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق بہرہ ور ہوتا۔ ناشتہ کے بعد حضرت والا نوافل ادا فرماتے اور مہمان بھی تقریباً اسی روحانی محفل کا حصہ بن جاتے اور ہر کوئی نوافل میں مشغول ہو جاتا، نوافل کے بعد حضرت والا درسِ حدیث کیلئے دارالحدیث روانہ ہو جاتے کچھ مہمان اور طلباء بھی حضرت کے ساتھ ہی دارالحدیث کی طرف روانہ ہو جاتے۔

ادب واحترام کا عجیب واقعہ:

حضرت مدنی رحمہ اللہ درس حدیث کے لیے جب گھر سے روانہ ہوتے تو راستے میں جہاں جہاں طلباء کرام بیٹھے آپس میں تکرار یا تعلیم میں مصروف ہوتے...... جوں ہی حضرت پر نظر پڑتی طلباء احترام واکرام میں کھڑے ہو جاتے، یہ احترام میں نے اپنے قیام میں مسلسل دیکھا اور اس میں کسی جبر یا اہتمام کا دخل نہیں ہوتا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ سلطنتِ فقر کا بے تاج بادشاہ گزر رہا ہے، جوں ہی دارالحدیث کے طلباء کی

نظر پڑتی تو وہ ایسے لگتا جیسے ہر کوئی پلکیں بچھانے کے لیے بے تاب ہے، یہ احترام سیاست یا دنیاوی چمک دمک سے میسر نہیں آتا بلکہ اس کے پس منظر میں وہ ریاضتیں اور دل سوزیاں ہوتی ہیں جو رات کے پچھلے پہر اللہ کے بندے اپنے پروردگار سے راز و نیاز میں حاصل کرتے ہیں۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا لباس سفید کھدر کا ہوتا تھا، سردیوں میں سر پر سبز رنگ کا عربی رومال اور گرمیوں میں کھدر کی ٹوپی......مگر اس لباس کا دبدبہ اور شوکت بادشاہوں کے ریشم وغیرہ کے قیمتی اور چمکدار لباس سے ہزار درجہ بہتر ہوتا......کیا ہی خوب سجتا تھا یہ لباس حضرت مدنی رحمہ اللہ کے جسم اطہر پر سفید رنگ کا یہ لباس......لباسِ شاہی کو بھی شرمندہ کرتا تھا۔ آنکھوں میں سرور کی کیفیت اور پیشانی رضائے الٰہی کے لیے کیئے گئے سجدوں کا نور ایک سماں باندھے رکھتا، دل کرتا تھا اس سدا بہار چہرہ اقدس پر نظریں جمائے رکھی جائیں۔ چونکہ سال کا آخر تھا اور کتابیں ختم ہو رہی تھیں اس لیے حضرت والا بخاری شریف کی عبارت خود پڑھتے تھے۔ عربی لہجہ، گلے میں مٹھاس، آواز میں سوز و گداز کی بے پناہ تاثیر، پورا دارالحدیث حضرت والا کی آواز سے گونجتا تھا اور طلباء سرور و مستی میں ڈوب جاتے تھے۔ میرا حال تو عجیب ہوتا تھا آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ پڑتا تھا، خیال آتا تھا کہ جو شخص بخاری شریف کی عبارت پڑھتے ہوئے ہزاروں مرتبہ قال قال رسول اللہ ﷺ کی صداؤں سے درود و سلام کی پھلجھڑیاں بکھیرتا ہے، اور اس کی زبان پر صلوٰۃ و سلام کا ورد جاری رہتا ہے وہ قیامت کے روز کس قدر حضور ﷺ کے قریب ہوگا، محبتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسالت ﷺ میں جس کے شب و روز اس طرح گزر رہے ہوں ان کی قبر اور حشر

خوشبوؤں سے کیوں نہیں معطر ہوں گے؟ حضرت مدنی رحمہ اللہ اپنے رنگ کے عدیم المثال محدث اور مفسر تھے، آپ رحمہ اللہ نے سولہ برس گنبدِ خضرا کے سائے میں بیٹھ کر حدیثِ رسول ﷺ کے درس دیئے، اور مسجد نبوی ﷺ میں آپ کا حلقہ درسِ حدیث عرب وعجم کا خوبصورت سنگم تھا، دیوبند میں آپ نے جس شان سے پینتیس برس حدیثِ رسول ﷺ پڑھائی اس سے آپ کے عرب وعجم میں سکے جم گئے۔

میرے لیے یہ سعادت کوئی کم سرمایہ نہیں ہے کہ مجھے بھی اس محدث عرب و عجم کا درس سننے کے ناطے ایک طرح کی نسبت تلمذ حاصل ہے، محدثین کے ہاں یہ سلسلہ مسلم ہے کہ کوئی طالب علم ان سے سماع کرتا ہے تو اس کو بھی طلب علم کے نیاز مندوں میں جگہ دے دی جاتی ہے، اس طرح اس ناچیز کو بھی یہ شرفِ علم حاصل ہے۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

ظہر کے بعد حضرت والا مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے تھے، میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ جوں ہی نمازِ ظہر سے فارغ ہو جاتا فوراً دستر خوان کے اس مقام پر آ کر پہلے بیٹھ جاتا جہاں حضرت تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس طرح مجھے برتن کے اس حصہ سے کھانے کا موقعہ ملتا جہاں سے حضرت تناول فرماتے تھے۔ دستر خوان کھجوروں کے پتوں کا بنا ہوا ہوتا تھا، جو گول دائرے کی طرح ہوتا تمام مہمان اس کے اردگرد بیٹھ جاتے اور حضرت والا اسی دستر خوان پر کھانا مہمانوں کے ہمراہ تناول فرماتے، درمیان ایک بڑی سی پرات میں سالن ہوتا اور سب مہمان اسی میں اجتماعی طور پر کھایا کرتے، سالن میں اگر شوربے والا گوشت ہوتا، روٹی حضرت کے سامنے ایک رومال میں لپیٹ کر رکھ دی جاتی جو حضرت خود نکال کر مہمانوں کے سامنے

رکھتے۔ میں نے دیکھا کہ رومال میں جس قدر روٹی لپٹی ہوئی آتی تھیں، حضرت رحمہ اللہ ہی ان کو تقسیم فرماتے تھے لیکن آخر تک روٹی منگوانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ وہی کھانا سب کے لیے کافی ہوتا تھا۔ میں جتنے دن حضرت کی خدمت میں رہا بیس پچیس مہمان روزانہ ہوتے تھے، لیکن کسی دن بھی کھانے میں کمی نہیں ہوئی اور کسی مہمان نے کبھی کوئی کمی محسوس نہیں کی بلکہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق حصہ پاتا، حضرت والا آخر وقت تک مہمانوں کے ساتھ شریک رہتے، سب سے کم تناول فرماتے اور سب کو مہمان نوازی کے لطف سے سرفراز فرماتے۔ دستر خوان کی وسعت حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے اس میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کو وافر حصہ میسر آیا تھا، مہمان خواہ کوئی ہو کہیں سے آیا ہو، غریب ہو یا امیر حضرت کے ساتھ دستر خوان پر شریک ہوتا تھا۔

خصوصی کھانا اور عمومی کھانا حضرت کے ہاں نہیں تھا اور نہ ہی علماء کے لیے الگ اور غیر علماء کے لیے الگ کوئی معمول تھا۔ یہی وہ خصوصی امتیاز تھا جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کو میرے رب نے خاص طور پر عطاء فرمایا تھا، میں نے بڑے بڑے لوگوں کے کھانوں میں شرکت کی ہے، بڑوں کا کھانا اور چھوٹوں کا کھانا اور علماء اور مشائخ کے ہاں بھی اسی فرق کو بہت دیکھا، لیکن اس فقر و درویشی کے شہنشاہ کے ہاں انسانی بلندی کے جو زریں اصول دیکھے وہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے، محمود و ایاز کا فرق ہر جگہ رکھا جاتا ہے۔

مجھے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ بات بے حد پسند آئی کہ مشائخ اور علماء کی کمی نہیں انسانوں کی کمی بہت دیکھی گئی ہے، جو شیخ اور عالم انسانیت کی بلندیوں پر فائز

ہے اسے تقویٰ وریاضت کی معراج حاصل ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ اس مقام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

ظہر کے کھانے کے بعد آرام کا وقت ہوتا تھا اور عصر کے بعد پھر چائے کا اہتمام ہوتا تھا حضرت والا مہمانوں کے ساتھ چائے نوش فرماتے تھے اور ساتھ ہی ڈاک لکھنے لکھانے کا سلسلہ بھی چلتا تھا۔میرے جیسے نیاز مند پھر زیارت سے بہرہ ور ہوتے اور زیارت سے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتے، یوں یہ سلسلہ مغرب تک چلتا......نمازِ مغرب کے بعد حضرت والا اپنے ایک خادم کے ہمراہ نوافل میں مشغول ہو جاتے اور خود ایک سپارہ نوافل میں سناتے یوں قرآن حکیم ایک ماہ میں نوافل میں سنایا جاتا،نوافل کے بعد پھر بیعت کے لیے آئے ہوئے حضرات کو بیعت کیا جاتا اور ساتھ ہی جو لوگ دور دراز سے ارشاد و تلقین کے لیے آئے ہوتے ان کی رہنمائی کی جاتی، اوراد و وظائف کا سلسلہ بتایا جاتا اور یوں یہ مجلس عشاء تک جاری رہتی......عشاء کے بعد کھانا ہوتا اور مہمان ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ درس حدیث کے لیے دارالحدیث میں تشریف لے جاتے، یوں درسِ بخاری رات ایک بجے تک جاری رہتا،حضرت درس سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جاتے اور تھوڑا آرام فرمانے کے بعد تہجد اور اوراد میں مشغول ہو جاتے۔اللہ جانے دن اور رات میں کس قدر آرام کے لیے وقت ملتا، میں نے تو شب و روز میں مصروفیت ہی دیکھی......اور چہرے پر کبھی تھکاوٹ کے آثار نہیں دیکھے...... ہشاش بشاش نورانیت ہی نورانیت،طمانیت ہی طمانیت، غالباً یہ ذکر و اذکار کی برکت کا نتیجہ ہوگا، اللہ والوں کی دنیا نرالی ہی ہوتی ہے، وہ دلوں کے بادشاہ ہیں ان کی ہر ادا سے دلوں کو سکون ملتا ہے وہ بے آرام رہ کر بھی آرام پہنچاتے ہیں انکے دلوں کا اضطراب

بھی اپنے لیے نہیں ہوتا ان کی زندگی کا ہر لمحہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور بندوں کو خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ انہی جذبات و کیفیات سے سرشار شب و روز مخلوق خدا کو خدا سے جوڑتے اسی میں راحت محسوس کرتے۔

مجھے ایک ہفتہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ہاں گزارنے کا موقعہ ملا، مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت والا اسی فکر میں رہتے تھے کہ امت مصطفوی ﷺ کا ہر فرد سنتِ مصطفوی کا والا و شیدا ہو جائے، سنت کی پیروی کی نہایت شدت سے تلقین فرماتے، خاص طور چہرہ پر سنتِ رسول ﷺ کا نقشہ تو ہر شخص پر واجب قرار دیتے، داڑھی سنتِ رسول ﷺ کے مطابق رکھنا از حد ضروری قرار دیتے، بیعت کے وقت اصرار سے اس کا عہد لیتے، لگتا تھا کہ اس عمر میں احیائے سنت کے امور ذمے لگائے گئے ہیں اس لیے سختی سے ان پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے، سنتِ رسول ﷺ کے لیے دن رات تڑپنا...... عوام و خواص میں سنت کی روشنی کو بانٹنا یہ ان عظیم رہنماؤں کا کام ہے جن کے ذمے یہ خدمت منجانب اللہ سپرد کی جاتی ہے۔

حضرت والا کی سیاسی اور ملی زندگی کے دو عظیم رخ ہیں مگر ان کا سخت ترین دشمن بھی ان کے تقویٰ، للّٰہیت اور دین کی پختگی کا قائل ہے اور باوجود سیاسی اختلاف کے ان کو مجاہد فی سبیل اللہ محدث جلیل اور اسلام کا فرزند جلیل سمجھتا ہے، دیوبند کے تعلیمی دور میں مسند حدیث پر تقریباً پینتیس چالیس سال فائز رہنا یہ آپ کو شیخ عالم اور شیخ العرب والعجم کا اعزاز بخشتا ہے۔ میرے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کہ مجھے آپ کا براہ راست درسِ حدیث سماعت کا موقعہ ملا اور حضرت والا سے شرف بیعت بھی حاصل ہوا، میرے لیے پہلی سعادت سرمایا آخرت ہے اور میں نے اسی نسبت کی بہت محنت سے آبیاری کی ہے، الحمد للہ میں نے نسبتِ مدنی کا وقار مجروح نہیں ہونے

دیا ہر میدان میں اسی کی لاج رکھی، مجھے یقین ہے کہ روزِ حشر اسی نسبت کی وجہ سے مجھے بھی عبادی الصالحین کے قدموں میں جگہ مل جائے گی۔

ایک ہفتہ آبِ حیات کے کنارے پیاس بجھانے کے بعد آخر رخصت ہونے کے لیے حضرت سے اجازت طلب کی، حضرت نے بہت شفقت سے اجازت مرحمت فرمائی اور رخصت کے وقت ہاتھ تھامے رکھا اور پوری توجہ سے میری طرف دیکھتے رہے۔ مجھے اس دیکھنے سے یوں محسوس ہوا کہ پاور ہاؤس کے ساتھ میرا پلگ لگ گیا ہے، جسم میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور یوں محسوس ہوا کہ خاص کیفیت طاری ہوگئی ہے، جس سے ایک عجیب سا سرور پیدا ہوگیا، میں بوجھل دل سے حضرت سے الوداع ہوکر پاکستان واپس آ گیا اور اسی مصافحہ کی لذت آج تک محسوس ہو رہی ہے۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند

میں ان دنوں تقریر اور وعظ کے میدان میں اُتر چکا تھا، دیوبند سے واپسی کے بعد ہجومِ عاشقاں بڑھ گیا، حتیٰ کہ تقریروں میں ہزاروں سامعین سے بڑھ کر لاکھوں تک تعداد پہنچ گئی، میرے ایک دوست مولانا سید محمود شاہ دیپالپوری تھے، نہایت پاکباز، متقی اور ذاکر فاضل تھے، انہوں نے بے تکلفی سے مجھ سے سوال کیا کہ دیوبند میں حضرت مدنی سے بیعت کے بعد آپ کو پَر لگ گئے اور اب آپ کی پرواز پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے، کیا حضرت نے رخصت کے وقت کوئی خاص چیز عنایت فرمائی تھی؟ کیا ہوا تھا میں نے عرض کیا کوئی خاص بات تو مجھے یاد نہیں البتہ حضرت نے دو منٹ میرا مصافحہ والا ہاتھ نہیں چھوڑا اور مسلسل میری طرف دیکھتے رہے۔ مولانا محمود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہی تو توجہ ہے جو خاص طور پر آپ کے ساتھ کی گئی اور اسی

سے آپ کی پرواز میں اضافہ ہوگیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا خصوصی کام لیں گے۔

میں جو کچھ ہوں جیسا ہوں اپنے شیخ کی توجہ اور نظر کرم کا فیضانِ نظر ہے۔
جس سے ایک ذرہ آفتاب بن گیا، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر نے مجھے کیمیا بنا دیا۔

دیوبند کے قیام کی دنوں میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی زیارت سے بھی بہرہ ور ہوا، مختصر اور ہلکا بدن، تمانت اور سنجیدگی کے پیکر علم و ادب کا چلتا پھرتا کتب خانہ ریاضت و عبادت میں قرون اولیٰ کی یادگار، طریقہ تعلیم دل میں اترنے والا، معلوم ہوتا تھا کہ علم و عرفان کی ایک جامع کتاب ہیں، دیوبند میں داخلے کے لیے طلباء کا امتحان ان کے ذمے ہوتا تھا، طالب علم انہیں دیکھ کر سہم جاتے تھے، چند لفظوں میں پوری ذہانت اور فطانت جانچ لیتے تھے، طلباء انہیں علم و عمل کا پیکر سمجھتے تھے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق تھا، حضرت پر جان فدا کرتے تھے، حضرت بھی انہیں دل سے چاہتے تھے، عصر کے بعد حضرت کی جو عمومی مجلس ہوتی تھی اس میں اکثر تشریف لاتے تھے، حضرت انہیں مجلس میں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ یہ ربطِ قلب تھا جو حضرت سے انہیں خصوصی طور پر عطاء ہوا تھا درسِ نظامی کی کتابوں میں ان کے تشریحی حواشی اکثر دیکھنے میں آتے تھے اس لیے یک گونہ طبیعت ان سے مانوس تھی۔ معلوم ہوا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے انہیں خصوصی تعلق ہے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ ایسی شمع تھے جن کے اردگرد پروانوں کا ہجوم رہتا تھا ان میں ہر قوم کے پروانے ہوتے تھے، ان کا اپنے

مقام پر بہت بلند مقام تھا، ان کی شخصیات نے بھی جہاں بیٹھ کے گلشن آراستہ کروائے، مولانا اعزاز علی نے نہ صرف علم وادب تفسیر وحدیث کی بے انتہا خدمت کی ہے بلکہ درسِ نظامی کی اکثر کتابوں کی مشکلات کو حل کر کے علم وحقائق کے دروازے کھول دیئے۔

شریعت وطریقت کے بھی جامع تھے، شیخِ کامل تھے، عوام وخواص ان سے فیض حاصل کرتے تھے، گلشنِ مدنی کے مہکتے ہوئے پھول تھے جن سے دارالعلوم کا پورا چمن خوشبودار تھا۔ علمِ طریقت میں بھی آپ نے رشدو ہدات کے نئے نئے چراغ جلائے، خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں اس جانے والے میں اے کاش! یہ نالغہ روزگار ہستیاں برسوں اپنے فیض سے پیاسوں کے جام بھرتی رہتیں اور ہر شخص اپنے جام بھر لیتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم کا نامِ گرامی بھی طلباء کے حلقوں میں سنتا رہتا تھا، اسی طرح قیامِ دارالعلوم کے دنوں ان کی زیارت اور درسِ حدیث سننے کا موقعہ ملا، اسلاف کی یادگار تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے والہانہ لگاؤ تھا اور حضرت مدنی بھی انہیں دل وجان سے چاہتے تھے۔ دورہ حدیث میں مشہور استاد تھے، طلباء ان کا دل وجان سے احترام کرتے تھے، علم کی زندہ کتاب تھے، وضع قطع میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی وضع کے انسان تھے، تواضع اور انکساری میں اپنے اسلاف کی تصویر تھے، ملنے والے کو اپنی سادگی اور علمی رسوخ سے متاثر کرتے۔ دیوبند کے جن علماء مدرسین کو نہایت احترام اور محبت سے دیکھا جاتا تھا ان میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب کا اسمِ گرامی نمایاں اور ممتاز تھا، میں کبھی کبھار ان کے درس سے استفادہ کرنے

کے لیےان کی درسگاہ میں چلا جاتا تھا،اور دیر تک ان کے علمی جواہر پاروں سے جھولی بھرتا تھا۔

اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رخِ زیبا لے کر

وہیں پر حضرت کے صاحبزادگان میں سے حضرت مولانا اسعد مدنی کی اور حضرت مولانا ارشد مدنی کی زیارت ہوئی تھی وہ ابھی جوانی میں قدم رکھ رہے تھے ان سے لوگوں کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں کہ یہ اپنے والدِ گرامی قدر کے نام کو روشن کریں گے،واقعات نے ثابت کردیا کہ مولانا اسعد مدنی اور مولانا ارشد نے حضرت کے نام کو روشن کیا ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی پوری صلاحیت اور قوت سے پاسبانی کی ہے۔

اسیرِ مالٹا

حضرت مولانا عزیر گل نوراللہ مرقدہ

جزیرہ انڈمان اپنے دامن میں ایک بستی مالٹا بسائے ہوئے ہے، چٹی گوری چمڑی والا انگریز جن حریت پسند اور آزادی کے نام لیوا علماء اور رہنماؤں سے ناراض ہوتا تھا انہیں اس شہر کے زنداں خانوں میں عمر قید اور طویل سزائیں دے کر اپنے راستے سے ہٹاتا تھا۔اس کے خیال میں اس طرح اس کی اقتدار کی عمر طویل سے طویل تر ہو جائے گی۔ یہ تصور ہر اس حکمران کا ہوتا ہے جو حکمرانی اور اقتدار کے نشے میں ظلم و تشدد کے تمام ہتھکنڈے استعمال کرنا اپنا حقِ حکمرانی سمجھتا ہے، اس ظالم اور ظلم و ستم کے رسیا سیاہ کار آبرو باختہ اخلاق سے عاری حکمران کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ کوئی ہستی اس کے اس تمام مکروہ پروگرام کا محاسبہ اور مواخذہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے کوئی وقت ضرور آجاتا ہے جب ایسے ظالم حکمرانوں کی اکڑی ہوئی گردن مروڑ دی جاتی ہے اور مظلوموں کو ان سے نجات دے کر عزت و تمکنت کی بلندیاں عطا کر دی جاتی ہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں جب فقر و درویشی کے بے تاج بادشاہوں نے للکارا اور انگریز کی تمکنت خاک میں ملادی تو ان بوریا نشینوں کے بے تاج بادشاہ حضرت مولانا محمود الحسن نے انگریز کی سلطنت میں لرزہ طاری کر دیا، ریشمی رومال کی تحریک ایک ایسا منصوبہ تھا اگر غدارانِ ملت اس راز کو فاش نہ کرتے تو انگریز برسوں پہلے ہندوستان سے بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہو چکا ہوتا مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا، حضرت شیخ

الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کو مکہ مکرمہ سے گرفتار کر کے جزیرہ انڈماں مالٹا بھیج دیا گیا، آپ کے ہمراہ آپ کے دو انتہائی معتقد اور جانثار شاگردوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا، جن میں شیخ عرب و عجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور اسیرِ مالٹا مولانا عزیر گل صاحب شامل تھے۔ حضرت شیخ الہند کے ساتھ اسارت مالٹا کی وجہ سے آزادی ہند علماء اور رہنماؤں میں مولانا عزیر گل صاحب کا اسمِ گرامی نہایت احترام اور اکرام سے لیا جاتا تھا۔

میری خوش قسمتی تھی کہ مالٹا کے ظلم و ستم برداشت کر کے حضرت شیخ الہند کی محبتوں کا مرکز و محور بننے والے مولانا عزیر گل بقید حیات سے اور اپنے دیہات سخاکوٹ کے دامن میں اپنی زندگی کا آخری اور قیمتی وقت گزار رہے تھے، میری یہی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سخاکوٹ جا کر حضرت مولانا عزیر گل کی زیارت کروں اور اس شیر بیشر حریت کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون بخشوں، اس چہرہ انور کو دیکھوں جس کی آنکھوں نے سیر ہو کر حضرت شیخ الہند کی زیارت کی بلکہ رات دن اپنے ارمان پورے کر کے روحانیت کے دریا پی لیے۔ خیال تھا کہ کوئی رابطے کا ذریعہ ہونا چاہئے، اچانک خبر ملی کہ دیوبند سے حضرت مولانا اسعد مدنی پاکستان کے دورہ پر تشریف لا رہے ہیں اور وہ پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ کرتے ہوئے اسیرِ مالٹا حضرت مولانا عزیر گل کی خدمت میں بھی حاضری دیں گے، میرے لیے بہت خوشی کا مقام تھا اس طرح ایک رابطہ بھی بن گیا اور راستہ بھی بن گیا، میں ان دنوں جمعیت علمائے اسلام پنجاب کا جنرل سیکرٹری تھا اس حوالے سے مجھے کوئی دشواری بھی نہیں تھی اور میں اس قافلے کی گرد سے لطف اندوز ہونے کے لیے کارواں

کے ہمراہ ہم رکاب ہوگیا اب میرے لیے وہ وقت نہایت کٹھن تھا جب مجھے حضرت مولانا عزیر گل سے ملنا تھا اوران کا دریافت فرمانا کہ یہ کون ہے؟ اس پر پریشانی سی تھی ،گواس دن معلوم ہوا کہ:

دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

ملاقات کے وقت حضرت مولانا اسعد مدنی نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت مولانا عزیر گل کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ حضرت یہ نوجوان ضیاء القاسمی ہے۔ حضرت نے نہایت گرم جوشی سے مجھے سینے سے لگالیا اور فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں، یہ مودودی کا بہت اپریشن کرتا ہے۔ مجھے اس حوالے سے بہت خوشی ہوئی کہ میرے اکابر اپنے چھوٹوں پر اس قدر کرم نوازی اور حوصلہ افزائی سے ان کو اعزاز بخشتے ہیں۔ یہی وہ تاریخی کردار ہے جو ہمارے بڑے چھوٹوں کو سرفراز کرنے کے لیے ادا کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے آج تک وہ نیاز مندوں اور عقیدت مندوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ تاریخ یہی بتاتی ہے جن بڑوں نے اپنے اصاغر کو آگے بڑھایا وہ خود آگے ہی رہے چھوٹوں نے دل و جان سے ان کا اعزاز اور اکرام برقرار رکھا، اس دور میں اگر چھوٹے بڑے اپنے بڑے چھوٹوں کو کردار پھر سے زندہ کرلیں تو ماضی کی بہاریں پھر لوٹ سکتی ہیں...... ہے کوئی صاحب بصیرت؟

هـــل مـــنـــكـــم رجـــل رشـيـــد

حضرت کے خدام نے بتایا کہ حصرت مہمانوں سے بہت کم گفتگو کرتے ہیں، اکثر خاموش رہتے ہیں مگر آج خلاف عادت بہت کھل کر بہت شگفتگی سے حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی کے واقعات سنا رہے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماضی کے

تمام دریچے کھل گئے ہیں، اور حضرت مزے لے لے کر وہاں بیان کر رہے ہیں۔
حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ نے جس طرح مالٹا کی جیل میں قرآن پاک حفظ کیا اس کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلا رمضان شریف جب جیل میں آیا تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مغموم اور مضطرب ہو کر ہمیں فرمانے لگے کہ زندگی میں پہلا رمضان شریف تراویح میں ختمِ قرآن کئے بغیر گزرے گا جس کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ حضرت مولانا نے سید حسین احمد مدنی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ کوئی غیب سے سامان فرمادیں گے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے یہاں کون آئے گا جو ہمیں قرآن سنائے گا؟ ہم تینوں میں سے کوئی بھی تو حافظ نہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے پھر فرمایا کہ آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ کوئی انتظام فرمادیں گے، حضرت شیخ الہند یہ سن کر خاموش ہوئے، جب عشاء اور تراویح کا وقت آیا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اجازت طلب کی کہ اگر حکم ہو تو میں تراویح پڑھاؤں؟ حضرت نے خوشی سے اجازت مرحمت فرمادی اس طرح پہلے دن حضرت مدنی رحمہ اللہ نے سپارہ سنادیا اور تیس دنوں میں پورا قرآن پاک سنادیا۔

حضرت شیخ الہند کی کرامت سے حضرت مدنی رحمہ اللہ نے پورے تیس دنوں میں مالٹا کی جیل میں قرآن پاک حفظ کر کے سنادیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے اصل میں محدثین کی سیرت میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جو ان کے حافظے کے بے مثال اور نادر الوقوع واقعات پر مشتمل ہیں۔

حضرتِ امامِ بخاری اور امامِ ترمذی کے حافظہ کے کئی واقعات ان کی تشریح میں نقل ہیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ مجھے

رسول اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی تو میں نے حافظہ کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے میرے حافظہ کی وسعت کی دعا فرمائی اس وقت سے آج تک مجھے کوئی مطالعہ کی چیز فراموش نہیں ہوئی۔

اسیرِ مالٹا کی خدمت میں ایک آدھا دن گزارنے کا موقع ملا مگر وہی ماضی کی لذیز داستانیں، اکابر کے تذکرے حضرت شیخ الہند کے سوز مستی اور عشق قرآن رسالت کے تذکرے اور جنگِ آزادی کے واقعات انگریز کے جبر وستم کی داستانیں، ایک سمندر تھا جو اپنی لہروں سے عوام وخواص کو بہرہ ور کررہا تھا۔ حضرت اسیرِ مالٹا اس بڑھاپے میں جوانوں کا حوصلہ اور چہرے پر ایمان ایقان کا نور لئے ہوتے تھے۔ چہرہ اس قدر نور وسرور کا مرقع تھا دل کرتا تھا کہ دیکھتے چلے جائیں، ایسے لگتا تھا یہ ساری مجلس ہم جیسے عشاق کے لیے سجائی گئی ہے اور ہم بھی ان کے چہرے پر وارد ہونے والی تحریروں اور تاثروں کو دل میں سمیٹ رہے تھے۔ کس عزم اور حوصلے کے یہ لوگ تھے جنہوں نے تاریخ کو نیا روپ بخشا تھا، یہ تاریخ سے متاثر نہیں تھے، تاریخ خود ان سے متاثر ہے۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء**

بنا کردند خوش رسمے بخاک خون غلطیدن

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ

رشدو ہدایت کی آبیاری اور فروغ کے لیے جن عبقری شخصیات اور رہنماؤں سے اللہ تعالیٰ نے تاریخ ساز اور آدم ساز کام لیا ان میں قُطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کا اسمِ گرامی سرِ فہرست آتا ہے۔ آپ نے برصغیر پاک وہند میں اپنی روحانی خانقاہ رائے پور سے ہزاروں انسانوں کے قلوب میں شریعت و طریقت کے چراغ جلائے، ان کے نام کا شہرۂ علماء اور عوام میں یکساں تھا، عوام و خواص ان پر جان چھڑکتے تھے اور ان کے قدموں تک رسائی سعادتِ عظمیٰ سمجھتے تھے۔ میں ابھی درسِ نظامی کے ابتدائی درجے میں تھا جب ان کے تذکرے سے اساتذہ کی محفل گرم رہتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ یہ کوئی عبقری شخصیت ہے جن کا تذکرہ اہل علم اور علماء کی زبان پر جاری رہتا ہے مگر شعوری طور پر مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کون سی خوبیاں اور اچھائیاں ہوتی ہیں جن سے کوئی فردِ شخص سے شخصیت بنتا ہے۔ مجھے اشتیاق رہتا تھا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی زیارت اور صحبت سے بہرہ ور ہونا چاہیئے۔

ایک دن معلوم ہوا کہ حضرت رائے پوری خالصہ کالج فیصل آباد کی مسجد میں تشریف لائے ہیں جن کے میزبان مولانا انیس لدھیانوی ہیں۔ میں پہلی فرصت میں اپنے ممدوح حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر زیارت کا ارادہ کرلیا۔ کسی بزرگ کو پہلی نظر میں دیکھنا دراصل ان عزائم کو پروان چڑھانا ہوتا ہے جو دل ہی دل میں مدتوں سے کروٹیں لیتے رہتے ہیں، بہت سے خاکے اس شخصیت کے دل وجگر میں مرتب کررکھے ہوتے ہیں۔ اور مختلف تصویریں اس شخصیت کی دل پر ثبت ہوتی ہیں،

حضرت رائے پوری کے مختلف نقش میرے دل پر ثبت تھے، مختلف تصویریں بنا رکھی تھیں جن کے مختلف زاویے بنا رکھے تھے۔ مختلف خاکوں میں رنگ بھر رکھا تھا، دھڑکتے دل کے ساتھ جب پہلی ملاقات میں حضرت رائے پوری کے چہرے پر پڑی تو ان تمام نقشوں سے خوبصورت اور دل فریب پایا جو پہلے سے قائم کر رکھے تھے، حسن صورت کی ایک تصویر تھی جس نے تاثیر کے پیکرِ عظیم کا روپ دھار رکھا تھا، پہلی نظر نے ایسا گرویدہ بنالیا کہ میں دم بخود ہوکر رہ گیا۔ حضرت رائے پوری کے چہرے کا نور اس سے فزوں تر تھا جس کے نقش میرے دل پر ثبت تھے۔ حسین چہرہ جسے کھلی کتاب...... چہرے پر نورانی ریش مبارک مگر دلکش اور حسن کا خوبصورت پیکر، چہرے پر نظر نہیں جمتی تھی، حسین اور دلربا سراپا، آنکھوں میں تہجد کے سجدوں کا نور...... وقار اور تمکنت سے چہرہ مامور سراپا حسن صورت اور حسن سیرت کا نقش جمیل، دل کی روشنی چہرے پر نمایاں...... پہلی نظر میں ولایت و ریاضت کے آثار آنے والے کو متاثر کرتے۔

عصر کے بعد مجلس عمومی کا وقت ہوتا تھا، علماء صلحاء کا ایک جمِ غفیر سراپا انتظار و اشتیاق سے حضرت اقدس کی گرد حلقہ بنا کر خاموش بیٹھے ہوئے اندر ہی اندر سلگتے اور اپنا دامن فیوضات رائے پوری سے جھولیاں بھرتے، میں بھی ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک کونے میں بیٹھ کر حضرت رائے پوری کو دیکھا کرتا مکمل خاموشی اور سناٹا ہوتا، معلوم ہوتا کہ اندر ہی اندر کوئی روحانیت کے سمندر کی لہریں اٹھ رہی اور سالکین کے دلوں کو زیغ اور میل سے پاک کر رہی ہیں، دل ڈھل رہے ہیں اور نئے سرے سے تزکیہ ہو رہا ہے۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر اپنی اپنی بساط کے مطابق دلوں کو رنگ

رہے ہیں کبھی ٹھنڈی آہیں نکل رہی ہیں اور کبھی فکر آخرت سے دلوں کی انگیٹھیاں سلگ رہی ہیں، آخر ایک طرف سے کسی کتاب کے مضامین سننے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور سالکین وسامعین ہمہ تن گوش ہوکر اس کتاب سنانے والے کی آواز سن کر اپنے دل کی دنیا آباد کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ کبھی کبھی حضرت کسی بات پر دادِ تحسین دیتے ہیں اور پورا مجمع جھوم جھوم جاتا ہے، اس مجلس میں دوام تھا، تسلسل تھا اس سلسلہ میں تعطل نہیں آتا ہے۔ اگر کوئی قد آور مہمان آجاتے تو پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہتا، میں دیکھتا تھا کہ بعض اوقات حضرت خاموش بیٹھے ہوتے ہیں اور سالکین بھی نہایت خاموشی سے حضرت کی طرف دیکھ رہے ہیں یا خاموش نظارہ کر رہے ہیں تو حضرت ہی کچھ اور فرماتے ہیں اور نہ ہی سامعین میں کوئی سوال ہو رہا ہے، فریقین خاموش ہیں مگر یوں لگتا تھا کہ اندر ہی اندر سلگ رہے ہیں اور اندر ہی اندر کوئی تبدیلی اور روحانی انقلاب آرہا ہے، دل دل سے متاثر ہو رہے ہیں، دلوں کا زنگ اُتر رہا ہے۔ جو تبدیلی برسوں میں آتی تھی وہ لمحوں میں آرہی ہے، ایک عجیب ماحول تھا، عجیب سماں تھا جو نور اور سرور کا ماحول بنا رہا تھا، اہلِ دل کہتے تھے کہ یہ خاموشی بھی بولتی ہے اس سے بھی کئی خاموشیاں ٹوٹتی ہیں یہ بھی روحانیت کا ایک عظیم باب ہے اس کو اہلِ نظر محسوس بھی کرتے ہیں اور محظوظ بھی ہوتے ہیں۔

میں نے حضرت رائے پوری کی خدمت میں کئی مرتبہ حاضری دی، ہر حاضری میں ایک نیا رنگ دیکھا ایک نئی دنیا کا نظارہ کیا، ایک دن اچانک عصر کی مجلس میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری تشریف لے آئے یہ صوفی عبدالحمید کی کوٹھی پر عصر کی نشست تھی، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حضرت لاہوری نہایت اکرام سے دوزانوں ہوکر حضرت کے سامنے مراقب ہوگئے۔ حضرت رائے پوری نے کوئی بات کی اور نہ ہی

حضرت لاہوری نے کوئی بات چیت کی...... دونوں مجلس کے آخر تک خاموش بیٹھے رہے معلوم ہوتا تھا اندر سے کوئی رابطہ ہے جو دونوں کے لیے باعث سکون ہے، اختتامِ مجلس پر حضرت لاہوری مصافحہ کر کے واپس تشریف لے گئے، سالکین میں سے کسی نے کسی شریکِ مجلس صاحب نظر سے پوچھ لیا کہ دونوں حضرات نے کوئی بات تو کی نہیں لیکن دونوں کی آنکھوں میں مسرت چھلکتی تھی......اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحب نظر نے فرمایا! آپ کو کیا معلوم کہ اس خاموشی میں دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے کیا لیا اور کیا دیا! میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور فوراً قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ سامنے آ گئی کہ:

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم باالغداۃ والعشی والاتمد عینك عنھم۔

”جما دیجیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے آپ کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اپنی آنکھ کو ان کے چہروں سے اوپر او پر نہ کریں۔“

اللہ والوں کے چہرے پر نظریں جمانے سے سالوں کا سلوک دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔حضرت رائے پوری بھی دنیائے ولایت کے تاجدار تھے اور حضرت لاہوری بھی سلطنتِ فقر کے تاجدار تھے اس لیے دونوں نے خاموشی کو اپنے درمیاں زینہ بنایا۔ایک عصر کی مجلس میں حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لے آئے آپ نے آتے ہی مجلس کو کشتِ زعفران بنا دیا، اپنے ایسے علمی لطائف ،اشعار، معارف اور حقائقِ شریعت بیان کیے کہ حضرت رائے پوری بہت محظوظ ہو رہے تھے اور ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب کو داد و تحسین دے رہے تھے، خاص طور پر حضرت امیرِ شریعت جب انگریز اور اس کے لگائے ہوئے پودے مرزائیت کا پوسٹ

ماتم کرتے تو حضرت رائے پوری اپنی مسرت چھپا نہیں سکتے تھے اور نہایت مسکراہٹ سے حضرت بخاری رحمہ اللہ کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے کہ بھائی میں تو حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مقلد ہوں ان کی رائے اس قدر وقیع اور صحیح ہوتی ہے اس میں اختلاف کو سوٗ ادبی خیال کرتا ہوں۔ سیاسی نظریات میں بھی حضرت رائے پوری حضرت مدنی رحمہ اللہ کی رائے کو اپنا مسلک قرار دیتے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے حضرت رائے پوری کو عشق کی درجے کا تعلق تھا یہی وجہ ہے کہ تمام عمر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نظریات کا دفاع بھی کیا اور سپوٹ بھی۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آج کی نسل کو مادر پدر آزاد بنانے کی بجائے ان اکابر شجر سایہ دار کے نیچے جمع کر دیا جائے۔ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی مجالس میں حاضری سے جہاں اور بہت سے خوشبو دار پھول حاصل ہوتے وہیں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی محبت وعقیدت کا اس قدر اضافہ ہوا کہ بعد میں دیوبند حاضر ہو کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کی بیعت کے شرف سے مشرف ہوا۔

حضرت رائے پوری کی مجلس میں طریقت وتصوف، ذکر وفکر، علمی مسائل، قرآن وحدیث کے شکر پارے سے معمور بہت سی عبادت وعقائد کی گرہیں کھلتیں، مگر وہ ڈھڈیاں کا مردِ درویش جب عظمتِ اصحاب رسول ﷺ کا تذکرہ کرتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ اصحاب رسول ﷺ کی عزت وناموس کی پاسبانی کا کام ان کے سپرد کیا گیا، اور حضرت رائے پوری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ اس کثرت سے کرتے کہ پوری مجلس حبِ رسول اور حبِ اصحابِ رسول سے مہک اُٹھتی، کبھی کبھی ارشاد فرماتے کہ اگر تاریخِ اسلام کو شیعہ کے اصول کے مطابق مان لیا جائے اور اصحابِ رسول ﷺ کو اسلام سے نکال دیا جائے تو اسلام غیر مکمل ہو کر رہ جائے گا۔ عصر کی مجلس میں ان کتابوں کو بار بار

پڑھا جاتا جن میں اصحابِ رسول ﷺ فضائل اور ان کی قربانیوں کے تذکرے ہوتے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کی ان کتابوں کو بار بار پڑھا جاتا، جو اصحابِ رسول ﷺ کے فضائل پر مشتمل ہوتی تھیں، حضرت مولانا محمد یوسف امیرِ جماعت تبلیغ کی حیاۃِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل سنا گیا اور عصر کی مجلس میں پڑھا جاتا۔ یہ میں نے مبالغہ نہیں کیا بلکہ یہ میرا مشاہدہ ہے، شیعہ کا نام لے کر ان کے عقائد کی نفی کی جاتی اور انہیں خلافِ اسلام قرار دیا جاتا، معلوم ہوتا کہ اس خانقاہ کے مقاصد میں رفض کی خلاف اسلام سرگرمیوں سے عوام و خواص کو آگاہ کرنا بھی اور اصحابِ رسول ﷺ کی عزت و ناموس کا دلوں پر نقش جمانا بھی مقصود ہے۔ یہ بات ان ذاکروں اور شاغلوں کے لیے نمونہ عبرت ہے جو اس دور میں عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کو فرقہ واریت اور رواداری اور مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں، اکابر سلفِ صالحین کی خانقاہوں کا مقصد صرف اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تربیت نہیں ہوتا بلکہ وہ عقائد و اعمال کی ورکشاپیں تھیں جو بیک وقت اسلام کے تمام زرّیں اصولوں کی پاسداری اور حفاظت بھی کرتے تھے اور ان کے ذکر سے دلوں کو گرماتے تھے۔ یونیورسٹی کسی ایک شعبے کا نام نہیں ہوتا بلکہ یونیورسٹی ان تمام شعبوں پر حاوی ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں اسی طرح ہسپتال میں دوائیوں سے بھی علاج کیا جاتا ہے اور اپریشن سے بھی اعضا اور جوارح کی مرمت کی جاتی ہے آج تک کسی نے بھی اپریشن کو فضول یا غیر ضروری اور انسانیت کے ساتھ ظلم نہیں کہا بلکہ اس بات پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اپریشن کامیاب ہو گیا یہاں تک کہ اب تو دل کا اپریشن بھی شروع ہو گیا اور کسی نے اس کو انسان پر ظلم قرار نہیں دیا، کم علم اور کم ظرف افراد کو اپنے فلسفے پر زور دینے کی بجائے حضور اکرم ﷺ کے روحانی علم کو ہی کامیاب قرار دینا چاہئے۔ دین

وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقوں کے مطابق ہو۔

لاہور صوفی عبدالحمید کی کوٹھی پر حضرت رائے پوری تشریف لائے ہوئے تھے میں بھی شوق سے حاضر ہوا، عصر کی مجلس تھی حضرت رائے پوری نے مولانا محمد شفیع صاحب آف کبیر والا کو یاد فرمایا، آپ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی شان میں نظم سناؤ...... مولانا محمد شفیع صاحب حضرت رائے پوری کے دیوانہ تھے اور بہت بہادر تھے اور رفض و بدعت کے خلاف تیغِ براں تھے، حضرت رائے پوری آپ سے بہت محبت فرماتے تھے...... حضرت رائے پوری نے جوں ہی نعت کی فرمائش کی تو مولانا محمد شفیع صاحب نے مجلس میں کمتر کی نظم سنائی جس کا ابتدائی شعر تھا کہ

او دیوانے محمد ﷺ دے میں دیوانہ صحابہؓ دا
او پروانے محمد ﷺ دے میں پروانہ صحابہؓ دا

پوری مجلس میں ایک کیف کا عالم طاری ہوگیا، مجلس صحابہ کرام کے عشق و محبت میں ڈوب گئی، حضرت رائے پوری پر وجد کا عالم تھا، یوں معلوم تھا کہ صحابہ کرام کی محبت و عظمت رگ و ریشے میں سرایت کر چکی ہے۔ نظم ختم ہوگئی مگر مجلس پر جو کیف طاری تھا اس میں کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ حضرت رائے پوری تو دھیمی آواز میں مسلسل کہہ رہے تھے کہ او دیوانے محمد دے میں دیوانہ صحابہ دا...... اس کے علاوہ جب بھی مولانا محمد شفیع صاحب حضرت کے ہاں ہوتے تو مناقبِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل منظوم کلام کی فرمائش کی جاتی! جسے مولانا محمد شفیع صاحب نہایت خلوص میں ڈوبی ہوئی آواز میں پیش کرتے۔ مداحِ صحابہ رضی اللہ عنہم گلستانِ نبوی کمتر صاحب حاضر ہوتے تو عصر کی مجلس انہی کی نظم ہو جاتی، کمتر صاحب ایسا رنگ جماتے کہ حضرت رائے پوری اور شرکائے

مجلس تڑپ کر رہ جاتے، مولانا علی میاں ؒ پنجابی نہ ہونے کے باوجود بہت لطف اندوز ہوتے۔

اصحابِ رسول ﷺ کی قربانیوں اور جہاد کا خوب تذکرہ ہوتا، ایسا لگتا کہ سب کچھ من جانب اللہ ہو رہا ہے۔ میں نے حضرت کی کوئی مجلس ایسی نہیں دیکھی جس میں اصحاب رسول ﷺ کے مقام اور عظمتوں کا تذکرہ نہ ہو۔ حضرت رائے پوری جامع صفات تھے ان کی خانقاہ میں دین کے تمام شعبوں میں تربیت اور رہنمائی دی جاتی تھی، سیاست پر بات چل نکلتی تو اہلِ مجلس حیران رہ جاتے کہ حضرت والا کی سیاست پر کتنی گہری نظر ہے، اخبارات کا گہری نظر سے مطالعہ ہوتا اخبارات سنے جاتے ان کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھا گیا، حضرت مدنی ؒ کے سیاسی نظریات سے حضرت کو مکمل ہم آہنگی تھی کبھی کسی سے اپنے ان خیالات کو چھپایا نہیں بلکہ صوفی عبدالحمید کے مکان پر ان کے سامنے ان خیالات کا کھلے بندوں اظہار ہوتا، صوفی صاحب اور ان کے مسلم لیگی ہم نوا بھی اسے خندہ پیشانی سے سنتے۔ تصوف کے میدان کی باتیں ہوتیں تو رازی ،غزالی اور محی الدین ابن عربی نکات وافکار کی گرہیں کھلتیں۔ وعظ کا میدان ہوتا تو شیخ عبدالقادر جیلانی کا رنگ وعظ غالب اپنے اکابر اسلاف کا تذکرہ ہوتا تو آنکھوں سے رم جھم شروع ہوجاتی غرض یہ کہ جس میدان میں بھی ڈیرہ جماتے انہی کا سکہ چلتا، دلوں کو سکون بخشتے......شریعت وطریقت کو کھول کر بیان کرتے، اپنا ہو یا بیگانہ حضرت کی مجلس میں جو بھی آتا جھولیاں بھر کے جاتا اب ان مجالس کی صرف یادیں باقی رہ گئیں۔ خانقاہیں اُجڑ گئیں، بہاریں رخصت ہوگئیں، جہاں دلوں کے زنگ دھلتے تھے وہ دکانیں بے آباد ہوگئیں، آنکھیں انہیں دیکھنے کو ترس رہی ہیں آج کے دور میں چند رسم وروایات کا نام شیخیت ہے دین چند مصلحتوں کی زد میں ہے۔ لوگ ترس رہے

ہیں مارے مارے پھر رہے ہیں ظاہری چکا چوند کا شکار ہیں۔ جب ظاہری ٹیپ ٹاپ کے اندر جھانکتے ہیں تو نہایت سڑاند محسوس ہوتی ہے، پھر اس ورم ہم رنگ سے نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر عقیدت ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اس لیے مایوسی ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔

بیچتے تھے جو دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

کون نہیں جانتا کہ عالمِ رشد و ہدایت میں شیخ الحدیث اور حضرت شیخ کے منفرد لقب سے کس شخصیت کو موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت شیخ کے القاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری کے نام کا حصہ بن گئے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں آپ کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی اور سنی جاتی ہیں آپ کی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ قبولیت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ کرہ ارض کا کوئی خطہ ان کے نام سے نامانوس نہیں ہے، میں ناروے کے ایک ایسے شہر میں جہاں سورج غروب ہونے کے چند گھنٹے بعد پھر طلوع ہو جاتا ہے وہاں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو ممبر پر جو کتاب رکھی ہوئی ملی وہ حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب کی تھی۔ تعجب ہوا کہ دیارِ غیر کے دور دراز علاقہ میں بھی حضرت شیخ کی کتابوں کو وہی شہرت حاصل ہے جو برصغیر میں ہے۔ میں نے شوق سے اس کتاب کو اٹھایا اور دیر تک اس میں صحابہ کرام کی عظیم الشان خدمات کا مطالعہ کرتا رہا، ایمان کو جلا ملی اور حلاوت ایمان سے دل کی دنیا کو سکون ملا، آج لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان ان کتابوں سے اپنے ایمان کو روشن کر رہے ہیں۔

کتنے دل ہوں گے جو ان کتابوں کے مطالعہ سے ہدایت کی اعلیٰ روایات سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ فضائلِ درود شریف نے کس قدر خوش نصیبوں کو خواب میں زیارتِ رسول ﷺ سے بہرہ ور کیا ہے، کتنے خوش نصیب ہیں جنہوں نے حضرت شیخ

کی کتابیں پڑھ کر حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور کس قدر خوش نصیب ہیں روضۂ اطہر اور مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اس کا اجر حضرت شیخ الحدیث کو ملے گا۔ اور قیامت کے روز ان کے بلند درجات کا باعث ہوگا۔

اس نابغۂ روزگار شخصیت کی زیارت کا از حد شوق تھا مگر اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، دل میں تڑپ اور اضطراب تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا فرمادیں کہ میری خواہش پوری ہو جائے اور دل کی دنیا آباد ہو جائے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میری حج کی درخواست منظور ہوگئی اور مجھے سفرِ حج کی سعادت سے اللہ تعالیٰ نے بہرہ مند فرمادیا، مکہ مکرمہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث آج کل مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں۔ بہت خوشی ہوئی کہ اس مبارک سفر کی برکت سے حضرت شیخ الحدیث کی زیارت بھی نصیب ہو جائے گی۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی حاضری میں جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے مواجہہ شریف کی حاضری میسر آئی اور جی بھر کر حضور اکرم ﷺ پر درودو سلام کا براہِ راست موقعہ ملا اور رفیقِ غار سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام عرض کرنے کا موقعہ ملا۔ وہیں پر قیامِ مدینہ کے دوران حضرت شیخ الحدیث کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر زیارت کا موقعہ ملا۔ پہلی نظر میں بسطۃ فی العلم والجسم کی تصویر نظر آئی، میں مجلس میں بیٹھ گیا اور ہجوم میں گھرے ہوئے اس محدثِ کبیر کے بہت ہی پیارے اور عشقِ رسول میں ڈوبے ہوئے ارشادات سننے لگا، گفتگو میں وہی اکابر کا رنگ، باتوں میں مٹھاس جن سے تعلق تھا انہیں ''پیارے'' کے دل نواز الفاظ سے خطاب دیار نبی ﷺ کے حوالے سے گفتگو میں ادب اور مدینۃ النبی ﷺ کے مہمانوں کا ادب یہ تھی پہلی مجلس جو میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی مدینہ منورہ

میں دیکھی۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ مدینہ منورہ کے قیام کو مستقل اختیار کیے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا وصال مدینہ منورہ میں ہی ہو انہیں مدینہ منورہ سے ایک دم کے لیے بھی مفارقت گوارہ نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا وصال مدینہ منورہ ہی میں ہو تاکہ مجاورتِ رسول ﷺ کا اعزاز ہمیشہ ہمیشہ حاصل رہے۔ یہ خواہش اس شخصیت کی ہوسکتی ہے جو حبِ رسول اور عشقِ رسول ﷺ میں فنا ہو چکا ہو، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے اکابر کے انگ انگ میں عشق رسول کا رنگ چڑھ چکا تھا۔ اور وہ فنا فی الرسول ﷺ تھے! دنیا کا منہ تو بند نہیں کیا جاسکتا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ عشق رسول ﷺ میں علمائے دیوبند نے اپنا الگ مقام بنایا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے عشق رسول ﷺ کی وہ داستانیں جریدہ عالم پر ثبت کی ہیں جو تاریخ کا عظیم سرمایہ ہیں۔

حضرت شیخ سے میں پہلی نظر میں ہی متاثر ہو گیا اور میں بار بار حاضری دیتا رہا اس کے بعد آپ فیصل آباد تشرف لائے تو میں ملک سے باہر تھا اس لئے زیارت سے مشرف نہ ہو سکا جس کا مجھے از حد قلق رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کی سعادت کا پھر موقعہ عطا فرمایا مدینہ منورہ حاضری کے موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضری کا پھر موقعہ ملتا رہا۔ اس طرح میں علم کے بحرِ بیکراں سے مستفید ہوتا رہا۔

ایک دن مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا ہوا تھا تو اچانک دیکھا کہ ایک ہجوم کسی بزرگ کو چیئر پر بٹھائے مسجد نبوی کے صحن میں لا رہے ہجوم کی وجہ سے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کون سی شخصیت ہوں کہ جن کے گرد ہجوم عاشقاں ہے میں بھی

اشتیاق سے آگے بڑھا دیکھا تو معلوم ہوا کہ "حضرت شیخ الحدیث" ہیں۔ نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لائے ہیں، بیمار تھے نہ چل سکتے تھے اور نہ ہی اکیلے مسجدِ نبوی ﷺ میں حاضری دے سکتے تھے، آخری عمر تھی آنکھوں سے روشنی جاتی رہی تھی، یہ نعمت غیر مترقبہ تھی جو مجھے حاصل ہوئی اور مجھے بھی زیارت اور مصافحہ کا موقعہ میسر آیا۔ اور وہ بھی مسجدِ نبوی ﷺ میں میرے لیے یہ سرمایہ حیات تھا جسے میں نے آج تک آنکھوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ حضرت قطب اللہ شاہ مولانا عبدالقار صاحب رائے پوری ایک ہی گلدستے کے مہکتے ہوئے پھول تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ ان کے سربراہ تھے۔ لاکھوں دلوں میں ان کی خوشبو مہکتی تھی، آپس میں اس قدر تعلق خاطر تھا کہ ہفتہ عشرہ میں ملاقات ضروری ہوتی تھی، کبھی حضرت مدنی رحمہ اللہ رائے پور اور سہارنپور تشریف لے جارہے ہیں اور کبھی وہ حضرات دیوبند تشریف لے جارہے ہیں۔ دیوبند، سہارنپور، رائے پور تینوں خانقاہیں مرجع خاص و عام تھیں۔ یہیں سے برصغیر کے سالکین اپنی روحانی پیاس بجھاتے تھے۔ سچی بات ہے کہ ان اکابر نے دین کے ہر شعبے میں ایسا کردار ادا کیا تھا کہ رہتی دنیا تک اس کے اثرات محسوس کیے جائیں گے۔

میری دلی خواہش ہے کہ ان اکابر ثلاثہ کے صحیح وارث اس گلشن کو مل کر آباد رکھیں تاکہ پھر سے کائنات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صداؤں سے گونج اُٹھے۔ اس دور میں جبکہ

ہر طرف فتنوں کا سیلاب امڈ رہا ہے مشائخِ کرام کو بھی خانقاہی نظام پھر سے زندہ کرنے کی سعی مشکور کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ سید نفیس الحسینی مدظلہ کو تاریخ ساز کردار ادا کرنا چاہیے۔ حضرت شیخ الحدیث کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہے ان کے خلفاء اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ارادت مند بہت ہی ثمر آور نتائج مرتب کر سکتے ہیں۔ شرک و بدعت کے کیڑے مکوڑے جس طرح زہر آلود تصوف سے ماحول کو بدبو دار کر رہے ہیں سنت کی خوشبو سے بھی عالم کو معطر کرنا ضروری ہے، ان اکابر کے ساتھ یہی وفا ہوگی اور اسی راستہ کو روشن کرنا ارادت مندوں کا فرضِ اولین ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب کا نام آتے ہی ایک نفیس، خوبصورت ، نازک صورت نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ خوبصورت چہرہ، دلکش لباس، ہونٹوں پر ہر وقت تبسم، علم وتقویٰ کا پیکر، متکلمِ اسلام اور وقار و تمکنت کا کوہ گراں، گفتگو کرتے تو پھول جھڑتے ،تقریر فرماتے تو لگتا الفاظ ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہوتے اور التجا کرتے کہ گفتگو میں ان کا انتخاب کیا جائے ،تقریر میں بلا کا سوز ہوتا، خطابت و بیان کی سحر بیانی ہوتی، نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمِ بحر ذخائر کی صورت میں سامنے ہوتا، ندی سی روانی ہوتی اور آبشار کا حسن ہوتا، اور کبھی کبھی قوسِ قزح کی رنگینی ہوتی، بیان اس قدر سحر انگیز ہوتا کہ گرد و نواح کی خبر ہی نہ رہتی، مجھے دورانِ تعلیم ہی حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی، آپ کے چند مضامین کا مطالعہ کیا تھا، دل میں تڑپ رہتی تھی، شوقِ ملاقات سے دل بے تاب رہتا تھا، کیا میں بھی اس عظیم انسان کی زیارت سے مشرف ہوسکتا ہوں مگر بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی تھی اچانک ایک اشتہار نظر سے گزرا کہ لائل پور میں علم و عرفان کی بارش...... دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تشریف لا رہے ہیں اور کچہری بازار لائل پور میں ایک جلسہ عام سے خطاب فرمائیں گے۔ میری مسرتوں کی انتہاء نہ رہی اور میں دن گننے لگا، خدا خدا کر کے ایشیا کی عظیم دینی یونیورسٹی کا سربراہ اور گلشنِ نانوتوی و گنگوہی کا پاسباں میری نظروں کے سامنے اسٹیج پر نمایاں ہوا، پہلی نظر پڑتے ہی میں پکار اٹھا

کہ یہ چہرہ سچا اور سُچا ہے۔اس کی پیشانی سے اس کے دل کی روشنی محسوس ہو رہی تھی۔ تقریر سے پہلے ہی اس کے اندر کا نور سامنے آ گیا، اس نے بولنے سے پہلے سب کچھ کہہ دیا۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اس وقت کے لائل پور میں ایک کافر ساز فیکٹری کے جنرل منیجر تھے جنہوں نے اپنی فیکٹری کا مال اس مردِ کامل کو توقیر سے معرض خطر میں دیکھا تو انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پراپیگنڈہ کیا کہ دیو بندی معاذ اللہ گستاخِ رسول ہیں، ان کے جلسے کا بائیکاٹ کیا جائے اور ان کا بیان نہ سنا جائے، جس قدر پراپیگنڈہ کر کے ماحول کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے اسی قدر اجلاس کو کامیابی سے ہم کنار کیا، لائل پور کے تمام مکاتیبِ فکر حضرت قاری صاحب کی تقریر سننے کے لیے آئے اور قاری صاحب نے ماشاء اللہ کی شانِ رسالت پر اس قدر جامع، پرمغز، ایمان ایقان کو جلا بخشنے والا بیان فرمایا کہ ہر طرف سے صدائے مرحبا گونجنے لگی۔تقریر کیا تھی حسنِ بیان کا بحر بیکراں تھا، میں ان دنوں درسِ نظامی کی درمیانی کتابیں پڑھتا تھا اس لیے میں کوئی علمی تجزیہ نہیں کرسکتا تھا البتہ علماء، صلحا، اپنوں بیگانوں، دانشوروں کے تبصرے سن رہا تھا کہ آج تو نانوتوی رحمۃ اللہ کا علم اور گنگوہی کی فقاہت بول رہی تھی۔اپنے اسلاف کے عشقِ رسول کے شہ پارے تقسیم ہو رہے ہے، ابن قیم، رازی، غزالی کے علم کی یاد تازہ ہو رہی تھی، ہر ایک کا اپنا اپنا تبصرہ تھا، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس خانوادہ نانوتوی کے عظیم فرزند نے اپنے خاندانی علم کے دریا بہا دیے تھے۔دشمن جل مر گئے اور عقیدت مندوں کے چہرے کھل کھلا اُٹھے۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ متکلمِ اسلام کے بیان کی شیرینی

سے لاکھوں لائل پور کے شہریوں نے حلاوت محسوس کی۔

اس پہلی ملاقات اور زیارت نے میرے دل میں قاری صاحب کی محبت فزوں ترکردی اور مجھے شدت سے حضرت کی پاکستان آمد کا اشتیاق رہنے لگا۔اب میں بھی شعوری طور پر آگے بڑھ رہا تھا، اس لیے جب تک زیارت کا موقعہ نا ملتا تو میں قاری صاحب کی کوئی نا کوئی کتاب پڑھتا رہتا۔یقین جانیے آپ کے علم اور اندازِ تفہیم سے مجھے عشق ہوگیا، مشکل سے مشکل مسئلہ اس طرح آسان زبان میں بیان کرتے کہ تڑپ کے رہ جاتا، آپ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور مضامین اس قدر اعلیٰ علوم کے حامل ہیں، علم بھی اس انداز کو سلام کرتا ہے۔علمِ غیب، ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے مگر جامعیت اور عام فہم ہونے کے حوالے سے اس کی مثال نہیں ملتی، شانِ رسالت اور سراج منیر پر دو مضامین ہیں جن میں بیان وکلام کی معراج نظر آتی ہے۔اس طرح آپ کا اندازِ بیان اور اندازِ تحریر ایک منفرد اور انوکھا انداز رکھتا ہے۔

حضرت قاری طیب سے ملاقاتوں کا یوں تو پھر سلسلہ چل نکلا تھا، کبھی مکہ مکرمہ میں اور کبھی مدینہ منورہ میں ملاقات اور زیارت کا موقعہ ملا، کبھی دیوبند میں ملاقات کا شرف حاصل ہوگیا کبھی خیر المدارس ملتان اور کبھی قاسم العلوم ملتان میں شرف زیارت حاصل ہوگیا۔قاری صاحب اکثر پاکستان تشریف لاتے تھے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ان کی خدمت میں حاضری نہ دی ہو۔

ایک یادگار ملاقات:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے

ہوئے تھے۔ آپ کا قیام جامعہ اشرفیہ لاہور میں تھا۔ میں فیصل آباد سے لاہور جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا۔ میری دلی خواہش تھی کہ جامعہ اشرفیہ کے کسی بزرگ کے ذریعے حضرت قاری صاحب سے ملاقات کروں گا اور چند وظائف کی اجازت حاصل کروں گا اور ساتھ ہی جامعہ اشرفیہ کے ماحول کی وجہ سے حضرت مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں کچھ سوال کروں گا تا کہ معلوم کروں حضرت قاری صاحب کے حضرت مدنی کے بارے میں کیا خیالات اور تاثرات ہیں۔

میں نے اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالمالک صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے رابطہ کیا، ان سے میری بے تکلفی تھی ان کو اپنی خواہش کا بھی بتایا اور ساتھ ہی عرض کر دیا کہ اگر مناسب ہو تو مجھے چند گذارشات پیش کرنے کی اجازت بھی دلوا دی جائے۔ حضرت مولانا عبدالمالک صاحب قاری صاحب قبلہ کے بہت قریب تھے، وہ مجھے فوراً حضرت قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں لے گئے، پہلے تو میرا تعارف کرایا، حضرت بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ان کا نام تو سن رکھا ہے مگر کبھی ملاقات نہیں ہوئی اچھا ہوا کہ آپ نے ان سے ملاقات کرادی۔ میرا خیال تھا کہ عمر رسیدہ ہوں گے مگر یہ تو ماشاءاللہ نوجوان ہیں۔

گفتگو کے لہجہ سے میں نے محسوس کرلیا کہ حضرت ہشاش بشاش ہیں کوئی انقباض یا گھٹن نہیں ہے بلکہ طبیعت میں شگفتگی ہے۔ میں نے نہایت ادب سے گذارش کی کہ میں حزب البحر پڑھتا رہا، مختلف بزرگوں سے مجھے اس کی اجازت ہے برائے کرم آپ بھی اجازت سے مجھے بہرہ ور فرمائیں، حضرت قاری صاحب نے نہایت مسرّت سے اور کھلے دل سے مجھے حزب البحر پڑھنے کی اجازت عطاء فرمادی۔ مجھ سے

دریافت فرمایا کہ کس طریقے سے پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جس طرح سے مناجات مقبول میں لکھی ہوئی ہے اسی طرح پڑھتا ہوں اور صفر کے مہینے میں تین دن اعتکاف بھی کرتا ہوں، اس کا یہ طریقہ حکیم الامت حضرت تھانوی (قدس سرہ) نے مناجات میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور مجھے دعائیں دینے لگے، میں نے سمندر میں تلاطم دیکھا اور آپ فقیر و درویش کی اس قدر شفقت اور محبت کو دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی (قدس سرہ) نے اعمالِ قرآنی کے نام سے وظائف اور تعویزات کی کتاب تحریر فرمائی ہے اس کی بھی مجھے اجازت عنایت فرمادیں تو آپ نے ازراہِ شفقت نہایت خندہ پیشانی سے اعمالِ قرآنی کی بھی اجازت عنایت فرمادی۔ چونکہ حضرت نہایت توجہ سے میری گذارش کو سن کر میری گذارشات کا جواب دے رہے تھے اس لیے میرا حوصلہ بڑھا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا صرف ایک سوال باقی رہ گیا ہے اگر آپ اجازت عنایت فرمائیں تو میں وہ سوال بھی آپ سے کرلوں؟ حضرت نے فرمایا ضرور ضرور!

میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے دور اہتمام میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے تقریباً ۳۵ برس حدیثِ رسول ﷺ پڑھائی ہے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ اس قدر طویل عرصہ دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے کیا اس دور میں آپ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ایسا واقعہ بھی دیکھا جسے ناقابلِ فراموش قرار دیا جاسکے؟ حضرت چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے، میں ڈر گیا کہ کہیں میرے سوال کو حضرت قاری صاحب نے ناپسند نہ سمجھا ہو، میں تھوڑی دیر کے لیے پریشان سا ہوگیا۔ حضرت قاری صاحب نے چند لمحے توقف کے بعد فرمایا کہ

ایسے واقعات تو بہت ہیں جن کو نا قابلِ فراموش قرار دیا جاسکتا ہے مگر فی الحال جو میرے ذہن میں آیا ہے وہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت کس قدر واصل باللہ اور مقبول بارگاہِ رب العالمین تھے۔

فرمایا......ایک مرتبہ اساتذہ کو تنخواہیں دینے کے لیے پیسے ختم ہو گئے، مجھے بے حد تشویش ہوئی کیونکہ تنخواہیں بروقت دینے کی ذمہ داری میری تھی جس سے میری پریشانی ایک فطری امر تھا، اسی پریشانی و اضطراب کی حالت میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے میری افسردگی دیکھ کر فرمایا کہ آپ پریشان نظر آ رہے ہیں خیر تو ہے؟ میں نے افسردگی اور پریشانی کی وجہ حضرت کو عرض کر دی، حضرت نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے نزدیک اس کا حل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی حل پیدا فرمادیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ رات کو عشاء کے بعد کتب خانہ دارالعلوم میں فلاں فلاں بزرگ اور فلاں فلاں ملازم کو جمع کر لیں، جب تمام بزرگ اور احباب جمع ہو جائیں تو مجھے اطلاع کر دینا، میں بھی حاضر ہو جاؤں گا اور مل کر دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے وہ کریم ہے ضرور ہماری مدد فرمائیں گے، یہ اسی کا کام ہے اور ہم سب اسی کے بندے اور محتاج ہیں۔

رات کو حضرت کے ارشاد کے مطابق ہم سب جمع ہو گئے، حضرت کو اطلاع کر دی گئی آپ بھی تشریف لے آئے، حضرت نے اس سوز و گداز اور گریہ زاری سے دعا فرمائی کہ لگتا تھا کہ مولیٰ کریم نے اس تمام مجلس کو آغوشِ رحمت میں لے لیا ہے اور رحمت کی بارش ہونے لگی ہے۔ حضرت کا رو رو کر مانگنا اور اپنی بے بسی اور بندگی کا

اظہار کرنا ایسے لگا جیسے

استجابت از روحی بر استقبال مے آید

دعا کے بعد ہم سب رخصت ہوگئے، صبح میں اپنے گھر میں ابھی بسترِ استراحت پر ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، گھر کے خادم نے دروازہ کھولا تو ایک مہمان دروازے پر کھڑے تھے انہوں نے خادم سے کہا کہ میں دہلی سے آیا ہوں اور اسی وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ خادم نے ان سے کہا کہ اس وقت تو مشکل ہے، صبح فجر کی نماز تک آپ کو انتظار کرنا پڑے گا، انہوں نے کہا کہ مجھے بہت ضروری کام ہے میں ایک بڑی شخصیت کا پیغام لے کر آیا ہوں اس میں تاخیر نہیں کرسکتا آپ مہربانی فرما کر قاری صاحب کو جگا دیں میں زیادہ وقت نہیں لوں گا صرف پانچ دس منٹ میں فارغ ہوجاؤں گا، یہ مجھ پر آپ کی کرم نوازی ہوگی، خادم ان کا اصرار دیکھ کر چلے آئے اور میرا دروازہ کھٹکھٹا دیا، میں نے بیدار ہوکر خادم سے اس وقت آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ دِلی سے ایک مہمان آئے اور وہ آپ سے ابھی ملنا چاہتے ہیں، میں نے انہیں نماز فجر تک انتظار کرنے کا بہت اصرار کیا ہے مگر وہ نہیں مانے اس لیے مجبوراً آپ کو جگانا پڑا، میں ان کے ساتھ باہر آیا تو دِلی کے ایک تاجر تھے انہوں نے کہا کہ میں نے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، میں نے بیٹھک میں بٹھا کر ان سے کہا کہ فرمایئے! انہوں نے کہا کہ میں عشاء کے بعد جلدی سونے کا عادی ہوں مجھے آج ہی رات رسولِ اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی ہے آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا خزانہ خالی ہوگیا ہے صبح مدرسین اور طلباء کے لیے اخراجات کا انتظام نہیں ہے تم فوراً دیوبند جاؤ اور دارالعلوم کی ضرورت کا فنڈ دے کر آؤ! میں فوراً بیدار ہوا تو گھر میں صرف پچاس ہزار کی رقم موجود

تھی میں وہ اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں کیونکہ مجھے فوراً رقم لے کر جانے کا حکم تھا اس لیے یہ پچاس ہزار لے کر تعمیلِ ارشاد کے لیے حاضر ہو گیا باقی جس قدر اور ضرورت ہے وہ مجھے بتا دیا جائے تو میں صبح دہلی پہنچ کر فوراً بھیج دوں گا۔ قاری صاحب جب یہ واقعہ سنا رہے تھے تو اس وقت ان کی آنکھیں نم آلود تھیں اور رِقت آمیز لہجہ میں اس بات کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا یہ تو ایک ایسا واقعہ ہے جو سامنے آ گیا ورنہ اس جیسے کئی واقعات ہیں جن سے ایمان کو جلا ملتی ہے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بلند مقام کا پتہ دیتے ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبند کی اسی بے شمار رفعتوں کے عین اور چشم دید گواہ ہیں۔ قاری محمد طیب صاحب کو اسی دیوبند کی رفعت کی نسبت سے وہ بلندیاں حاصل تھیں جو ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتیں۔ قاری محمد طیب صاحب حسینی اور تھانوی نسبتوں سے اس قدر مالا مال تھے جس کی مثال دیوبند کی عظیم شخصیات میں بھی نایاب ہے، اے کاش ایسی مجمع البحرین شخصیات سے چمنِ دیوبند سدا بہار رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

دیوبند کی تعمیر و تزئین اور تعلیمی و دینی بہار میں اس بہارِ آفریں شخصیت کا بہت عمل دخل ہے جن کی حکمتِ عملی نے دیوبند کو آفتابِ عالمتاب بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب قاری محمد طیب صاحب نے والیٔ افغانستان کی دعوت پر افغانستان کا دورہ فرمایا تو والی نے قاری محمد طیب صاحب کو اپنے تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے لیے درخواست کی اور کہا کہ آپ کی موجودگی اس تخت پر بیٹھنے کی بجائے میں آپ کے قدموں میں بیٹھنا اپنی بادشاہی کے لیے اعزاز سمجھوں گا کیونکہ میرے خاندان کے

بڑے بھی آپ کے بڑوں کے شاگرد تھے،ہمیں سب کچھ اسی نسبت کی وجہ سے عطاء ہوا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

فقیر العصر

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رائے پوری نور اللہ مرقدہ

کسے معلوم تھا کہ رائے پور گوجراں کا یہ فقیر منش نوجوان برصغیر پاک و ہند کے عظیم مجاہد شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے قدموں میں بیٹھ کر علم و عمل کا آفتابِ علم بن کر چمکے گا جسے دنیا فقیہ العصر مولانا مفتی فقیر اللہ کے نام سے یاد کرے گی جو حضرت شیخ الہند کی دینی بصیرت کا ایک ایسا سہانا نور ہو گا جس سے ہزاروں قندیلیں روشن ہو کر برصغیر کو منبعِ نور بنا دیں گی۔

میں جب فیصل آباد سے جامعہ رشیدیہ ساہیوال اپنے اساتذہ کی ہدایت پر ایک سال کے لیے تعلیم حاصل کرنے کیلئے گیا تو ایک بوڑھے بزرگ کی زیارت ہوئی جو وجود میں تو مختصر مگر علم اور دبدبے میں جامعہ رشیدیہ کے ماحول پر چھایا ہوا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس بزرگ کی وہ کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے مدرسہ کے تمام اساتذہ اور طلباء نہایت احترام و اکرام سے پیش آتے ہیں، مدرسہ کے ماحول میں جب وہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب کو اوئے عبداللہ کہہ کر پکارتے تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی کہ حضرت شیخ الحدیث جہاں اور جس حالت میں ہوتے ننگے پاؤں بھاگے آتے۔ ایک روز میں نے اپنے ایک استاد سے پوچھ ہی لیا کہ یہ بوڑھا کون ہے جو حضرت شیخ الحدیث کو اوئے عبداللہ کہہ کر آواز دیتا ہے اور حضرت شیخ الحدیث نہایت احترام سے ہمہ تن گوش ہو کر ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاتے ہیں؟ تو حضرت استاد نے کہا کہ یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب کے والدِ محترم اور اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیرِ مالٹا کے براہِ راست شاگرد ہیں، حضرت شیخ الہند نے انہیں اپنے دست مبارک سے خصوصی سند عطاء فرمائی تھی۔

فہرست

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مرقدہ صفحہ نمبر 03

حضرت مولانا عزیر گل نوراللہ مرقدہ صفحہ نمبر 19

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ صفحہ نمبر 24

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ صفحہ نمبر 33

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب صفحہ نمبر 38

حضرت مولانا مفتی فقیراللہ رائے پوری نوراللہ مرقدہ صفحہ نمبر 47